جلد 27 شمارہ 3 ماہ مارچ 2025ء رمضان المبارک 1446ھ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسوا اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاحِ آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: سید محمد عبداللہ بخاری 0301-7705388

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4652212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
خالد محمود بخاری
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فھد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

پیامِ قرآن

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۹۰)

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۹۴)

اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۹۵)

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ۔

(سورۃ البقرہ ۲: آیت ۲۰۷)

دوسری طرف انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز سورج ڈھلتے ہی پڑھ لیتے تھے۔ عصر جب پڑھتے تو مدینہ کے انتہائی کنارہ تک ایک شخص چلا جاتا لیکن سورج اب بھی باقی رہتا۔ مغرب کے متعلق جو کچھ آپؐ نے کہا وہ راوی کو یاد نہ رہا اور عشاء کے لئے تہائی رات تک دیر کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اور آپ ﷺ اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تو ہر شخص اپنے قریب بیٹھے ہوئے کو پہچان سکتا تھا۔ آپ ﷺ دونوں رکعات میں یا ایک میں ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے۔

(کتاب الاذان، صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے زمین پر گر گئے۔ اس گرنے سے آپ ﷺ کا دایاں پہلو زخمی ہو گیا تو ہم آپ ﷺ کی خدمت میں عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا اور آپ ﷺ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ہم بھی بیٹھ گئے۔ ہم نے بھی بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ امام اس لیے ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ اس لیے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ۔ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

(کتاب الاذان، صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خبر دی کہ بلند آواز سے ذکر، فرض نماز سے فارغ ہونے پر نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں جاری تھا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ذکر سن کر لوگوں کی نماز سے فراغت کو سمجھ جاتا تھا۔

(کتاب الاذان، صحیح بخاری)

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(ماجد محمود توحیدی)

☆ تحفے تحائف کا آپس میں تبادلہ ہوتے رہنا چاہئے۔ ایسا تحفہ نہ ہو کہ جس سے لگے کہ آپ لوگ ریاکاری کرتے ہیں۔ تحفہ ایسا ہو جو خوش آئند اور دیکھنے میں اچھا لگے۔ اس کی قیمت بھی ایسی ہو کہ خوشی خوشی دل کی گہرائیوں سے آدمی دے سکے۔ وہ تحفہ کوئی تحفہ نہیں جو بہت قیمتی ہو۔ تحفے میں تو کہتے ہیں کہ تنکی بھی بہت اچھی بات ہے، وہ ایک تبرک بھی بہت ہوتا ہے۔ ایسا ہلکا پھلکا تحفہ دیا کرو جس سے آپ پر وزن بھی نہ پڑے اور ہمیشہ یاد بھی رہے کہ مجھے میرے بھائی نے تحفہ دیا ہے۔ ایسی باتوں کا ضرور خیال کیا کریں۔ قیمتی چیز وقتی طور سے تو لینے والے کو اچھی لگتی ہے، دینے والے پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ آج کل تو حالات اور زیادہ خراب ہیں۔ یہ چند باتیں عرض رہیں کہ ان باتوں پر عمل کریں۔ اس سے آپ پر وزن نہیں پڑے گا۔ ایک تحفے کا ہے، دوسرا تیمارداری کا ہے۔

آپ کہیں تیمارداری کرنے جاؤ تو تیمارداری کا بھی ایک طریقہ ہے۔ یہ نہیں کہ جا کے بیٹھ گئے، مہمان ہو گئے، بیمار کی جان نکل گئی اور خود نہیں اٹھے۔ ملے نہیں وہاں سے۔ تیمارداری کا طریقہ یہ ہے کہ جا کے بیٹھیں، سلام کلام کریں، اس کے لئے صحت کی دعا کریں، پیار کی دو چار باتیں کریں اور پھر اجازت لے لیں کہ مجھے اجازت دیں، مجھے بڑا کام ہے۔ بس اجازت لے کے چلے جائیں۔ خوشگوار سا ماحول پیدا کر کے چلے جائیں۔ اب یہ ہے کہ میں تو کہیں چلا گیا پھر السلام اللہ حیو سلا۔ باقی لوگوں کو بھول جاؤں، کسی نے آنا ہے یا جانا ہے۔ مریض جانے اور اس کو اس وقت تنگ میں تنگ کرتے ہوں جب تک وہ پیاس کے مارے پانی بھی نہ مانگ سکے۔ بیٹھا رہا۔

حضور اقدس ﷺ نے یہ ملنے ملانے کے کچھ طریقے مقرر کیے ہیں ان پر عمل کریں تو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ ماحول اچھا رہتا ہے۔ آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ یہ نہیں کہ دوبارہ دے دب جائیں تو مریض پہلے سے ڈر جائے کہ پھر آ گیا۔

☆ آپ ایک دوسرے کی باتیں کریں تو یہ اچھا رویہ نہیں ہے، اچھے رویے اپنائیں۔ پیار دوسروں کی برائیوں کو چھپاتا ہے، پیار دوسروں کو وقت دینے کا تقاضا کرتا ہے۔ پیار کے بغیر انسان کی زندگی ادھوری ہے۔ آپس میں پیار کرنا سیکھیں، ایک دوسرے کی باتیں ایک دوسرے سے کرنا بند کر دیں، اور پیار کریں، پیار سب۔ اگر کسی نے آپ سے کوئی بات کی ہے تو اسے بالکل بھول جائیں جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہیں ہے۔ ایسے جیسے حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ کسی کا راز آپ کے پاس آ جائے تو اسے ایسے بھول جاؤ جیسے آپ لوہا دریا میں پھینکتے ہیں تو وہ کبھی باہر نہیں نکلتا۔ میرے بچے یہ خیال رکھیں۔

ایک دوسرے کی باتیں ایک دوسرے تک پہنچانا، بڑا مٹھاس ہے اس میں اور اسے ہی غیبت کہتے ہیں۔ اگر آپ لوگ یہ مٹھاس کھانا، چکھنا بند کر دیں اور پیار کرنا سیکھ لیں تو اپنے حلقے کا رنگ پھر دوسرا ہی پاؤ گے۔ حلقے کا رنگ ہی بدل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو حوصلہ دے، ہمت دے، اور ایک دوسرے سے پیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اشفاق احمد نے پوچھا کہ محبوب کو Define کریں تو آپ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے فرمایا کہ محبوب وہ ہوتا ہے جس کی ہر بات اچھی لگے۔ جس کی ہر بات اچھی لگے وہ محبوب ہوتا ہے۔ یہ نشان ہے۔ جب کہا کہ میرے محبوب تو اس کو کسی بری بات سے منسوب بھی نہیں کیا جاتا، جو کچھ ہے اچھا ہے اور وہ سب سے اچھا ہے۔ وہی محبوب ہے۔

محبوب بننے کی کوشش کریں، بڑا پیار آئے گا، بڑا پیار ہوگا۔ سب گلے شکوے بھی دور ہو جایا کریں گے، اور بہت بڑے گناہ سے بھی بچ جائیں گے۔ اسی کو اللہ میاں نے منع کیا ہے۔ یہی غیبت ہے کہ تم کوئی ایسی بات جو کسی آدمی میں ہو وہ کسی اور سے بولو تو یہ غیبت ہے۔ اگر وہ بات اس میں ہو بھی نہیں تو اس پر آپ بات کریں تو وہ بہتان بن جاتا ہے۔

غیبت کے متعلق یہ ہے کہ ایسے ہے جیسے آپ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں۔

لا حول ولا قوۃ۔ اللہ معاف کرے تا نیز گناہ ہم اپنے مرتے کیلئے لے لیتے ہیں اور پرواہ بھی نہیں ہوتی، احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے اپنے ساتھ کیا کر دیا ہے۔ یہ اتنی بڑی باتیں ہمیں سمجھ ہی نہیں آتیں، احساس بھی نہیں ہوتا اور کر جاتے ہیں۔

یہ جھوٹ بولنا۔ جھوٹ ہمیں اسلام سے خارج کر دیتا ہے لیکن ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ نے دو ٹوک فرمایا کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو جھوٹ بولتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ یہ ایسی چھوٹی چھوٹی خرافاتی زبردست باتیں ہیں کہ جس سے آپ کی اندرونی کیفیت ہی بدل جاتی ہے اور یہ منافق کی نشانی ہے۔ جھوٹ بولنا۔ وعدہ خلافی کرنا۔ وعدہ خلافی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (سورۃ الاسراء ۱۷۔ آیت ۳۴)

پوچھا جائے گا تم سے قیامت کے دن کہ تم نے وعدہ کیا تھا، پورا کیوں نہیں کیا۔ اسی طرح خیانت ہے۔ خیانت صرف مال کی خیانت نہیں ہے۔ کسی راز کی بھی خیانت ہو سکتی ہے، اپنے دفتر کے کسی کام کی بھی خیانت ہو سکتی ہے، کسی کا راز فاش کر دیا وہ بھی خیانت ہو جاتی ہے۔ ایسی ساری خیانتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

اب یہ تین چیزیں ایسی ہیں، جھوٹ، وعدہ کا پاس نہ رکھنا اور خیانت کرنا۔ یہ منافقت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہم سب کو بچائے۔ شکر ہے ہمارے بھائیوں میں الحمد للہ یہ عادت نہیں ہے۔ بڑے اچھے ہیں لیکن پھر بھی اللہ میاں نے شیطان ہمارے ساتھ لگایا ہوا ہے، ہم کہیں نہ کہیں چوک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں اور اللہ کی پناہ میں رہیں تاکہ ان خرافات سے بچے رہیں۔ یہ بڑی ضروری بات ہے۔

نیکیاں کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں پر اپنی نظر رکھیں۔ ان سے بچنے کی کوشش کریں تو اس سے عمل دو آتشہ ہو جاتا ہے، اللہ کے فضل و کرم سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور انسان خوش بھی رہتا ہے۔ گناہوں سے بچا لیا تو سمجھو انسان نے اپنے آپ کو آلودگی سے بچا لیا، پھر ہر طرف صفائی ہی صفائی رہے گی۔ آلودگی نہیں ہو گی۔ اور اگر ساتھ وہ بھی مسئلہ چلتا رہا تو پھر Mixture ہی Mixture ہو گا، صفائی سے چمک نہیں آ سکے گی۔ اس لئے چمک پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

یہ دل جو ہے یہ خالص چیز مانگتا ہے۔ اسے خلوص چاہیے۔ خلوص کا وہاں دیا جلایا کریں ان شاء اللہ اللہ بہتر کرے گا تھوڑے ہی دنوں میں آپ بہت اچھے ہو سکتے ہیں۔ برائیوں سے بچیں۔ برائی، برائی ہے۔ معمولی سا دھبہ بھی سفید کپڑے پہ لگ جائے تو دور سے نظر آتا ہے۔ اس لئے برائی برائی ہے، یہ چھوٹی ہو، بڑی ہو، ان سب سے بچنے کی کوشش کریں۔ اللہ سب کے لئے آسانی پیدا فرمائے۔ اللہ سب پہ اپنا فضل فرمائے اور اپنے اخلاق کو سدھارنے کی توفیق اور حوصلہ عطا فرمائے۔

☆ ہفتہ وار حلقۂ ذکر کا بڑا فائدہ ہے۔ جو روزانہ ذکر ہے وہ کریں، وہ تو سونے پہ سہاگہ ہے مگر یہ ہفتہ وار حلقۂ ذکر کا بھی اتنا اثر ہوتا ہے کہ ہفتہ بھر کم از کم انسان برائی سے بچ جاتا ہے۔ اگلے ہفتہ پھر پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے یہ اللہ کی دین ہے جسے دے دے۔

آپ لوگ خوش قسمت ہیں جن کو یہ توفیق اللہ نے دی ہوئی ہے کہ وہ ان کو اپنی یاد کا وقت دے دیتا ہے، اپنی یاد کا ماحول اور موقع پیدا کر دیتا ہے اور الحمدللہ، الحمد للہ بھائی اس موقع کو Avail کر لیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ یہ تو مرنے کے بعد پتا چلے گا کہ ہم کیا کرتے رہے ہیں۔ اب اس وقت پتا نہیں چلے گا۔ اس وقت تو جو آدمی ذکر کر کے نکلتا ہے اس میں اور جو شراب خانے سے نکلتا ہے، اکٹھے ملتے ہیں تو کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں انسان ہوتے ہیں، آپس میں ملتے ہیں لیکن یہ اللہ کے ہاں ہے کہ جو ذکر کر کے نکلا ہے اس کا کیا مقام ہے اور جو شراب پی کے نکلا ہے اس کا کیا حال ہے، اس کی کیا حالت ہے، یہ اللہ جانتا ہے۔ اس لئے اللہ سے نیکی کی دعا کریں، برائیوں سے بچنے کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنی یاد سے نوازے۔

☆ موت ایک حقیقت ہے۔ جو بھی اس دنیا میں آتا ہے اسے واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے ذہنی طور سے تو ہر مسلمان خاص طور سے تیار ہی ہے۔ جب بلاوا آ جائے تو بس تیار ہی ہے۔ اس کی تیاری کرنی چاہیے اور کرنی پڑتی ہے تاکہ Welcome کرنے والے بھی ہوں اور وہاں پہ Welcome ہو تو جس نئی زندگی سے واسطہ پڑے اس کو قبول کرنے کی ہمت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو یہ ہمت دے، حوصلہ دے اور یہ احساس زندہ رہے کہ ہم مسافر ہیں، ہمارا سفر کب ختم ہو گا اس کا

حیاتیاتی مشینوں کا سہارا لینا پڑے، تو جب تک یہ اس مشین کا پابند ہو، تو توقع رکھی جا سکتی ہے کہ دماغ کی عمل کاری اور اس کا اظہار مشین کی حالت اور حدود سے متاثر ہوں گے۔ اگر مشین متاثر ہو جائے تو دونوں مفروضوں، پیداوار اور ترسیل کے تحت، دماغ کی عمل کاری اور اظہار متاثر ہوں گے۔ یہ دونوں نظریاتی امکانات جیم ڈی کے معاملے کے مشاہدہ شدہ حقائق سے ہم آہنگ ہیں۔

تاہم، دماغی نقصان اور بڑھاپے کے اثرات ذہن پر ایڈورڈ [illegible] کے خاص ماڈل کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے، جس میں یہ مانا جاتا ہے کہ علت و معلول کا اثر صرف ذہن سے جسم کی طرف جاتا ہے اور کبھی جسم سے ذہن کی طرف نہیں آتا۔ یہ لگتا ہے کہ یہی فیلڈ ایڈورڈ کے بار بار Instrument theory کی تشریح کرنے اور اس کے حامی کو "مستحکم ثبوت" قرار دینے کا سبب ہے۔

تاہم، یہ قابل فہم ہے کہ جب تک کسی شخص کا جسم موجود ہے، شعور کا عمل اور اظہار کے لیے جسم پر انحصار ہو سکتا ہے، اور جب جسم مر جاتا ہے تو شخص اس انحصار سے آزاد ہو جاتا ہے۔ شعور زندگی کے دوران دماغ کے ساتھ منسلک ہو سکتا ہے، اس کا تعلق دو طرفہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ یہ مادی دنیا میں ہر علت و معلول کے تعلق میں ظاہر ہوتا ہے، لیکن موت کے وقت یہ تعلق منقطع ہو سکتا ہے۔ یہ حقیقت کہ دماغ کے ارد گرد رہنے تک شعور دماغ کی حالت اور اس کی حدود سے متاثر ہو سکتا ہے، اس بات کو لازم نہیں کرتی کہ دماغ کے بغیر شعور اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا یا اپنے عمل جاری نہیں رکھ سکتا۔

جیم ڈی کے کیس کے بعد، ایڈورڈ ایک پرانے مسئلے، یعنی تاندا شعور کی طرف آتا ہے جس میں وہ عمر رسیدگی کے ساتھ انسان کی ذہنی اور جذباتی حالت کے بگاڑ کو بیان کرتا ہے:

> یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ بڑھاپے کے ساتھ ساتھ زیادہ تر لوگوں کی ذہانت اور جذباتی حالت بگڑ جاتی ہے۔ ان کی یادداشت کمزور ہو جاتی ہے، وہ نئی باتیں سیکھنے کے کم قابل ہو جاتے ہیں، اس کی دنیا میں دلچسپی کم ہو جاتی ہے، وہ زیادہ تعریف کے طلب گار ہو جاتے ہیں اور اپنے خیالات میں زیادہ [illegible] ہے، بے صبر اور ضدی ہو جاتے ہیں۔ یہ ہر گز عمومی نہیں ہے، اور یہ ایک دلچسپ سوال ہے

کہ کیوں زیادہ تر لوگ زوال پذیر ہوتے ہیں جبکہ چند نہیں ہوتے۔ اگرچہ اس
آخری سوال کا جواب کچھ بھی ہو، عمومی طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ جسمانی
ذہنی اور جذباتی زوال ہوتا ہے، وہ دماغ میں تبدیلیوں کی وجہ سے ہوتا ہے
حالانکہ بلاشبہ دیگر عوامل بھی اس میں کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں یہ
کہنا بالکل فطری بات ہے اور ہم سب یہی کہتے اور سوچتے ہیں، یہاں تک کہ وہ
لوگ بھی جو زندگی بعد از موت پر یقین رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ عمر کے ساتھ شخص
کے ذہن میں زوال آیا ہے۔ مادی کے نظریہ کا اس بیان سے اتفاق ہے لیکن
'آلہ کار کے نظریہ' کا اس سے اتفاق نہیں۔' آلہ کار کے نظریے کے حامی کو یہ بتانا
پڑے گا کہ ذہن خود زوال پذیر نہیں ہوا۔۔۔ یہ جو تبدیلیاں ہم نوٹ کرتے ہیں وہ
اس وجہ سے ہیں کہ ذہن کو ایک غیر متاثرہ آلہ دستیاب نہیں ہے۔

ایڈورڈز نے درست لکھا، "ایسے حالات میں یہ بالکل فطری بات ہے۔۔۔ اور ہم سب ایسے ہی بولتے اور سوچتے ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو زندگی بعد از موت پر یقین رکھتے ہیں۔۔۔ کہ عمر کے ساتھ شخص کے ذہن میں زوال آیا ہے۔" یہ بحث طلب ہے کہ آیا واقعی 'ہم سب' یہی بولتے اور سوچتے ہیں۔" بہرحال، یہ بھی 'بالکل فطری' ہے کہ کہا جائے کہ سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سورج حقیقت میں زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ یہ حقیقت کہ ایک خیال ہماری موجودہ بول چال اور سوچ کی عادات سے مطابقت رکھتا ہے، خود بخود اس بات کی دلیل نہیں تھی کہ وہ خیال "مستحکم" ہے۔ یہ مادی نظریات کے حامیوں کی بجائے ان کے موقف کی کمزوری کی گواہی ہے کہ ایڈورڈز اپنے نظریہ کے حق میں سب سے مضبوط دلیل کے طور پر یہ کہہ سکتا ہے کہ 'بقا کا نظریہ' مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے اس بات کے ساتھ جو ان کے نزدیک 'بالکل فطری' ہے۔

کسی بھی حال میں، چونکہ ایڈورڈز اور دیگر میک گن صاحب دونوں ہیں، لہٰذا اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممتاز سائنسدانوں کے دلائل کا جائزہ لیا جائے جنہوں نے طبعی شواہد کو بہت تفصیل سے پرکھا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے پہلے بزرگ

(شفیق احمد)

ابوبکر صدیق عبد اللہ بن ابو قحافہ عثمان تیمی قرشی (573ء—634ء) اسلام کے پہلے خلیفہ راشد، عشرہ مبشرہ میں شامل، خاتم النبیین محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اولین جانشین، صحابی، خسر اور ہجرت مدینہ کے وقت رفیق سفر تھے۔ اہل سنت و جماعت کے یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انبیا اور رسولوں کے بعد انسانوں میں سب سے بہتر، صحابہ میں ایمان و زہد کے لحاظ سے سب سے برتر اور ام المومنین عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محبوب تر تھے۔ عموماً ان کے نام کے ساتھ صدیق کا لقب لگایا جاتا ہے جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق و تائید کی بنا پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دیا تھا۔

ابوبکر صدیق عام الفیل کے دو برس اور چھ ماہ بعد سنہ 573ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ دور جاہلیت میں ان کا شمار قریش کے متمول افراد میں ہوتا تھا۔ جب پیغمبر اسلام محمد مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انھوں نے بغیر کسی پس و پیش کے اسلام قبول کر لیا اور یوں وہ آزاد بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے کہلائے۔ قبول اسلام کے بعد تیرہ برس مکہ میں گزارے جو سخت مصیبتوں اور تکلیفوں کا دور تھا۔ بعد ازاں پیغمبر اسلام محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رفاقت میں مکہ سے یثرب ہجرت کی، نیز غزوہ بدر و دیگر تمام غزوات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں گرفتار ہوئے تو ابوبکر

صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسجد نبوی میں امامت کریں۔ پیر 12 ربیع الاول سنہ 11ھ کو پیغمبر اسلام ﷺ نے وفات پائی اور اسی دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں پر مسلمانوں نے بیعت خلافت کی۔ منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ابوبکر صدیق نے اسلامی قلمرو میں والیوں، عاملوں اور قاضیوں کو مقرر کیا، جا بجا لشکر روانہ کیے، اسلام اور اس کے بعض فرائض سے انکار کرنے والے عرب قبائل سے جنگ کی یہاں تک کہ تمام جزیرہ عرب اسلامی حکومت کا مطیع ہو گیا۔ فتنہ ارتداد فرو ہو جانے کے بعد امام ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق اور شام کو فتح کرنے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ ان کے عہد خلافت میں عراق کا بیشتر حصہ اور شام کا بڑا علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ پیر 22 جمادی الآخری سنہ 13ھ کو تریسٹھ برس کی عمر میں خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے جانشین ہوئے

تعارف: آپ کا اسلامی اسم گرامی عبد اللہ کنیت ابوبکر اور لقب صدیق اور عتیق ہیں۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ ہے۔ والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر ہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ قریش کی شاخ بنو تیم سے ہے۔ عہد جاہلیت میں آپ کا نام عبد الکعبہ تھا جو حضور نے بدل کر عبد اللہ رکھ دیا تھا۔ آپ کے نام عبد الکعبہ کی وجہ تسمیہ کچھ یوں بیان کی جاتی ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ کے والدین کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے اس لیے انہوں نے منت مانی کہ اگر ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور زندہ رہا تو وہ اس کا نام "عبد الکعبہ" رکھیں گے اور اسے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گے۔ چنانچہ جب آپ پیدا ہوئے تو انہوں نے نذر کے مطابق آپ کا نام "عبد الکعبہ" رکھا اور جوان ہونے پر آپ عتیق (آزاد مرد، غلام) کے نام سے موسوم کیے جانے لگے یعنی آپ نے موت سے رہائی پائی۔

پیدائش: حضرت ابو بکرؓ کی پیدائش عام فیل سے دو سال چھ ماہ بعد اور ہجرت نبوی سے پچاس سال چھ ماہ پہلے مطابق 573عیسوی مکہ میں ہوئی۔ آپؓ پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ سے دو سال چھ ماہ چھوٹے تھے۔ عائشہ بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ میرے پاس بیٹھے اپنی ولادت کا تذکرہ فرما رہے تھے آپ دونوں کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ، ابو بکر صدیقؓ سے عمر میں بڑے ہیں۔

سلسلہ نسب: والد کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابو قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ والدہ کی جانب سے سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام الخیر سلمی بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ بعض لوگوں نے آپ کی والدہ کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا ہے کہ سلمی بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ مگر یہ غلط ہے اس لیے۔ اس صورت میں وہ ابو قحافہ کی بھتیجی بن جاتی ہیں اور اہل عرب بھتیجی سے دور جاہلیت میں بھی نکاح نہیں کرتے تھے۔ آپؓ کے والد اور والدہ دونوں کی جانب سے حضور ﷺ سے سلسلہ نسب ساتویں پشت میں مل جاتا ہے۔ چنانچہ آپؓ کے والدین قریش میں تیم سے تھے اس سلسلہ نسب سے ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی والدہ کا نام سلمی بنت صخر تھا۔

کنیت ابو بکر کی وجہ تسمیہ: آپؓ کی کنیت ابو بکر کے بارے میں منقول ہے کہ چونکہ آپؓ اچھی خصلتوں کے مالک تھے۔ اس لیے آپ ابو بکر کے نام سے مشہور ہوئے جو بعد ازاں آپؓ کی کنیت ٹھہری۔ آپ کی کنیت ابو بکر کے بارے میں یہ شواہد تکمیل تک نہیں پہنچتے کہ آپؓ کو سب سے پہلے ابو بکر کے نام سے کس نے پکارا۔ مورخین نے آپؓ کی کنیت کی مشہور ہونے کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ عربی میں بکر جوان اونٹ کو کہتے ہیں اور آپؓ چونکہ اونٹوں کی غور و پرداخت میں بہت دلچسپی تھی اور ان کے علاج معالجے میں بہت اہلیت رکھتے تھے

اس لیے لوگوں نے آپؓ کو ابوبکر کہنا شروع کر دیا۔ جس کے معنی ہیں اولیت کا باپ۔ ابو کے معنی والا اور بکر کے معنی اولیت ہے اسی سے بکرہ یا باکرہ ہے۔ ابو بکر کے معنی ہوئے اولیت والے۔ چونکہ آپؓ ایمان، ہجرت، حضور ﷺ کی وفات کے بعد وفات میں اور قیامت کے دن قبر کھلنے وغیرہ سب کاموں میں آپ ہی اول ہیں اس لیے آپ کو ابوبکر کہا گیا۔

صدیق کی وجہ تسمیہ: آپ کے لقب صدیق کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ واقعہ معراج کے بعد قریش مکہ کو اپنی معراج سے آگاہ فرمایا تو انھوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ جب ابوبکرؓ کو واقعہ معراج کے بارے میں پتا چلا تو آپؓ نے فرمایا میں معراج پر جانے کی تصدیق کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے آپ کی اس تصدیق کی وجہ سے آپؓ کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ نووی نے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ کا لقب صدیق اس وجہ سے ہے کہ آپؓ ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے، آپؓ نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق میں جلدی کی اور آپؓ سے کبھی کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ جب معراج میں آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ میری اس سیر کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ جبرائیل نے عرض کیا آپ ﷺ کی تصدیق ابوبکرؓ کریں گے کیوں کہ وہ صدیق ہیں۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جبل احد پر گئے اور آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ احد پہاڑ زیر و زبر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے پیر کی ٹھوکر لگائی اور فرمایا اے احد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے وصال پر فرمایا کہ اللہ نے ابوبکرؓ کا نام صدیق رکھا اور پھر آپؓ نے سورۃ الزمر کی آیت ذیل تلاوت فرمائی: وہ جو سچائی لے کر آیا اور وہ جس نے اس سچائی کی تصدیق کی وہی متقی ہیں۔

ازواج: مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے، ابو بکر صدیقؓ نے اپنی زندگی میں پانچ شادیاں کیں۔

ام بکر: قبیلہ بنو کلب سے تھیں۔ چونکہ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے ابو بکر صدیقؓ نے ہجرت سے پہلے ان کو طلاق دے دی تھی۔

قتیلہ بنت عبد العزیٰ: جب ابو بکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لیے ابو بکر نے ان کو بھی طلاق دے دی تھی۔ ابو بکر صدیقؓ کے بڑے صاحبزادے عبد اللہ اور بڑی صاحبزادی اسماء ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ فتح مکہ تک زندہ رہیں شاید اسلام قبول کر لیا ہو۔ (184)

ام رومان: آپؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تھا۔ اہل سیر میں سے کسی نے آپؓ کا اصل نام نہیں لکھا اس لیے آپؓ اپنی کنیت ام رومان سے مشہور ہیں۔ آپؓ کا پہلا نکاح (زمانہ جاہلیت میں) عبد اللہ بن حارث بن سخبرہ سے ہوا، ان سے ایک بیٹا طفیل بن عبد اللہ پیدا ہوئے۔ پہلے شوہر کی وفات کے بعد ابو بکر صدیقؓ نے ان سے خود نکاح کر لیا۔ ابو بکرؓ صاحب سے ام رومان کے ہاں عائشہ صدیقہؓ اور عبد الرحمن بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ جب ابو بکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے بھی بلا تامل ان کی تقلید کی اور یوں آپ سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئیں۔ (185) آپؓ کی وفات میں اختلاف ہے کسی نے چار ہجری، کسی نے پانچ اور کسی نے چھ ہجری اور کسی نے نو ہجری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں قرائن سے ثابت کیا ہے کہ آپؓ کی وفات نو ہجری سے پہلے نہیں ہوئی۔ آپؓ کی تدفین کے وقت

نبی کریم ﷺ خود قبر میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔(186)

اسماء بنت عمیس: آپ کے والد کا نام عمیس تھا اور والدہ کا نام ہند بنت زبیر تھا۔ آپ کی ماں کی مختلف شوہروں سے نو بیٹیاں تھیں جو مختلف قریش و بنو ہاشم کی بیویاں تھیں۔ جن میں سلمیٰ بنت عمیس حمزہ بن عبدالمطلب کی زوجہ آپ کی حقیقی بہن تھیں اور ان کے علاوہ آپ کی ماں شریک بہنوں میں ام المومنین میمونہ، لبابہ بنت حارث زوجہ عباس بن عبدالمطلب وغیرہ بھی شامل ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح جعفر طیارؓ سے ہوا جس سے تین بیٹے عبداللہ، عون اور محمد پیدا ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد آپ کا دوسرا نکاح ابوبکر صدیقؓ سے ہوا جس سے ایک بیٹا محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد آپ نے علی المرتضیٰؓ سے نکاح کیا جس سے ایک بیٹا یحییٰ پیدا ہوئے۔ آپ نے دو ہجرتیں کی تھیں۔ پہلی جعفر طیارؓ کے ساتھ ملک حبشہ پھر وہاں سے مدینہ منورہ کی طرف۔ آپ کی وفات حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد 40 ہجری میں ہوئی۔(187) آپ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں ان کے راویوں میں عمر فاروق، عبداللہ بن عباس اور ابو موسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابہ اور اعلیٰ درجے کے تابعین شامل ہیں۔(188)

حبیبہ بنت خارجہ: آپ ابوبکر صدیقؓ کے مواخاتی بھائی خارجہ انصاری کی بیٹی تھیں۔ ان سے نکاح کرنے کے بعد ابوبکر صدیقؓ انہی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے بطن سے ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی ام کلثوم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد آپؓ نے اساف بن عتبہ بن عمرو سے نکاح کر لیا تھا۔189

اولاد: ابوبکر صدیقؓ کی اولادیں چھ تھیں جن میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں شامل تھیں۔

عبداللہ بن ابی بکر: آپ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ آپ قتیلہ بن

عبدالعزیٰ کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت اسماء کے حقیقی بھائی تھے۔ ابوبکر صدیقؓ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہجرت مدینہ کے وقت اپنے والد ماجد اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مشغول رہے۔ آپ کے سپرد یہ کام تھا کہ دن بھر کی قریش کی جو خبریں ہوتی تھیں وہ شام کو غارِ ثور میں پہنچا دیں۔ آپ نے اسماء، عائشہ اور ام رومان کو لے کر مدینہ کی طرف ہجرت اس وقت فرمائی جب نبی رحیم ﷺ مدینہ منورہ [illegible] گئے۔ آپ فتح مکہ اور غزوہ حنین و غزوہ طائف میں شریک رہے۔ غزوہ طائف میں آپ کو ایک تیر لگا تھا جس سے شدید زخم پہنچا جو عارضی معالجہ کے بعد مندمل ہو گیا تھا لیکن حضور اکرم ﷺ کے وصال کے چالیس روز بعد پھوٹ پڑا جس سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔(190)

آپ کے والد ماجد نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ نے عاتکہ سے نکاح کیا تھا جس سے ایک بیٹا اسمٰعیل پیدا ہوا جو کمسنی ہی میں وفات پا گیا اور آپ کی نسل آگے نہیں چلی۔(191)

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ: آپ ابوبکر صدیقؓ کے دوسرے بیٹے ہیں۔ آپ ام رومان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ آپ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں مشرکین کے ساتھ تھے۔ آپ نے صلح حدیبیہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا اور نبی کریم نے آپ کا نام عبدالکعبہ سے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ آپ ایک ماہر تیر انداز تھے۔ زمانہ جاہلیت اور قبول اسلام کے بعد بھی بے شمار معرکوں میں بڑے جوہر دکھائے۔ آپ کے ہاں تین بیٹے محمد، عبداللہ اور حفصہ تولد ہوئے۔(192) آپ کی وفات میں اختلاف ہے۔ بعض آپ کا سن وفات 53 ہجری، بعض 56 ہجری، 58 ہجری کے بیان کرتے ہیں۔ آپ کے بیٹے ابو عتیق محمد کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔(193)

محمد بن ابی بکر: آپ ابوبکر صدیقؓ کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس ہیں۔ آپ کی پیدائش دس ہجری ذیقعدہ میں ذوالحلیفہ کے مقام پر ہوئی۔ جب اسماء نے ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ سے نکاح کیا تو آپ بھی ان کے سایہ عاطفت میں آگئے اور آغوش مرتضوی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ حضرت علیؓ نے آپ کو اپنے عہد خلافت میں مصر کا گورنر بنایا۔ مصر پر جب عمرو بن العاص نے حملہ کیا تو آپ نے ان کا پامردی سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دیا گیا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو آپ کی شہادت کی خبر ہوئی تو انہوں نے سخت دکھ کا اظہار کیا اور آپ کے بیٹے قاسم کو اپنی آغوش شفقت میں لے لیا۔ سیدہ عائشہ کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ قاسم اپنے دور کے سب سے بڑے فقیہ بن گئے اور فقہائے سبعہ میں شمار ہونے لگے۔ (194)

اسماء بنت ابی بکر: آپ ابوبکر صدیقؓ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ آپ ہجرت مدینہ سے ستائیس سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا نکاح عشرہ مبشرہ میں شامل صحابی رسول زبیر بن عوامؓ سے ہوا جن سے عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر کو پیدائش کے بعد نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لایا گیا۔ حضور نے ایک کھجور منگوا کر اسے چبایا اور پھر اسے عبداللہ کے منہ میں ڈال دی۔ عبداللہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کے یہاں پیدا ہونے والے پہلے بچے ہیں۔ حضرت اسماءؓ کا حوصلہ اپنے بیٹے عبداللہ کی شہادت کے وقت [illegible]۔ آپ کے ہاں عبداللہ کے علاوہ عروہ، منذر، عاصم، مہاجر، خدیجہ، ام حسن اور عائشہ پیدا ہوئے۔

ام المومنین عائشہ بنت ابی بکر آپ ابوبکر صدیقؓ کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ آپ کی پیدائش بعثت نبوی کے پانچ سال بعد مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ کا نام ام رومان ہے۔ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد کے وصال کے بعد آپ حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ نکاح کے وقت آپ کی عمر مبارک چھ سال اور رخصتی نو سال کی عمر مبارک میں ہوئی۔ آپ کا شمار رسول اللہ ﷺ کی لاڈلی بیویوں میں ہوتا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک بھی آپ کی گود مبارک میں ہوا اور پھر آپ کے حجرہ مبارک میں نبی کریم کا مدفن ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ آپ نے سترہ رمضان المبارک 59 ہجری میں اس جہان فانی سے کوچ فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

ام کلثوم بنت ابی بکر آپ ابوبکر صدیقؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور آپ کی پیدائش اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد ہوئی۔ ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں صرف آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ حبیبہ بنت خارجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ آپ کی پرورش ام المومنین عائشہؓ کے زیر سایہ ہوئی۔ آپ کا پہلا نکاح طلحہ بن عبید اللہ سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد آپ کا دوسرا نکاح عبدالرحمن بن عبداللہ بن ربیعہ سے ہوا۔

نبی کریم کے وصال کے موقع پر خطبہ جس وقت حضور نبی کریم ﷺ کا وصال مبارک ہوا اس وقت تمام صحابہ کرام کی کیفیت عجیب تھی۔ ابوبکر صدیقؓ نے تمام صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے خطبہ ارشاد فرمایا

اما بعد! گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن اسی طرح ہے جس طرح نازل ہوا اور دین وہی ہے جو اللہ نے مقرر فرمایا۔ حق بات وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ

سے بیان فرمائی وہ اللہ کی حق ہے۔ اے لوگو! جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ محمد (ﷺ) وصال فرما گئے ہیں اور جو شخص اللہ عزوجل کی عبادت کرتا ہے وہ یقین رکھے اللہ عزوجل ہمیشہ رہنے والے ہیں اور اس کے لیے موت نہیں۔ دیکھو اللہ نے اپنا فیصلہ فرمادیا اب تم کس میں ردو بدل کرو گے جو تمہارے پاس ہے اس پر اللہ نے اپنے نبی کے لیے اس چیز کو ترجیح دی ہے جو اس کے پاس ہے۔ اللہ نے اپنے محبوب کو اپنی بارگاہ میں بلا لیا ہے اور تمہارے لیے اپنی کتاب اور اپنے محبوب کی سنت کو چھوڑ دیا ہے۔ جو شخص ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے تھام لے گا وہ فلاح پا لے گا اور جو ان کا منکر ہو گا وہ تفرقہ پیدا کرنے والا ہو گا۔

اے لوگو! عدل قائم کرنے والے بنو، دیکھو شیطان ابلیس کہیں تمہارے نبی کے وصال پر تمہارے لیے فتنہ بن کر تمہیں پست نہ کر دے۔ شیطان کا مقصد ان اختلافات سے کسی جن کے ذریعے تم اسے مس کرتے رہو اور تم اسے ہرگز موقع نہ دو کہ وہ تم پر سوار ہو جائے۔

خلیفہ وقت کا پہلا خطاب: ابوبکر صدیق نے خلیفہ بننے کے بعد لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

اما بعد اے لوگو! مجھے تمہارا حاکم مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر تم مجھے حق پر پاؤ گے تو میرے ساتھ تعاون کرنا اور اگر مجھے باطل پر پاؤ تو میری اصلاح کرنا۔ جب تک میں اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا رہوں گا تو میری اطاعت کرتے رہنا اور جس وقت میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں گا تم پر میری اطاعت واجب نہیں رہے گی۔ یاد رکھو! میرے نزدیک تم میں قوی شخص ضعیف ہے جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں اور

ضعیف شخص اس وقت تک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں۔ میں اللہ سے سب کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔

امام حسن سے مروی ہے کہ اس کے بعد ابوبکر صدیقؓ منبر پر اس جگہ کھڑے ہو گئے جہاں نبی کریمؐ کھڑے ہوتے تھے پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

"لوگو! میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اس لیے تم مجھ سے زیادہ صحت مند اور طاقتور آدمی کے سپرد یہ معاملہ کردو"

آپ کی بات سن کر لوگوں نے کہا آپ ہر قسم کے معاملے میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے ہیں اس لیے اس معاملے کے آپ زیادہ حقدار ہیں۔

یہ سن کر ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا "دیکھو اگر تمہارا اصرار ہے کہ میں اس امر کا زیادہ حقدار ہوں تو پھر میرے ساتھ تعاون کرنے میں بخل سے کام مت لینا اور یہ یاد رکھنا کہ میں بھی انسان ہوں اور میرے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے۔ اگر تم مجھے کبھی غصے کی حالت میں دیکھو تو ہٹ کر چلے جاؤ اور جب تک میں سیدھا رہوں میری اطاعت کرتے رہو اور جب میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم مجھے سیدھا کردو۔"

نظامِ خلافت: ابوبکر صدیقؓ کی مدت خلافت صرف سوا دو برس ہے لیکن اس قلیل مدت میں آپؓ نے وہ عظیم الشان کارنامے انجام دیے کہ ان کو پڑھ کر انسان ورطۂ حیرت میں غرق ہو جاتا ہے۔ آپؓ کے دورِ خلافت کا بیشتر حصہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر قابو پانے میں صرف ہوا لیکن اس کے باوجود آپ ملکی نظم و نسق سے غافل نہیں رہے۔ آپؓ نے اپنی قوت ایمانی، تدبر و فراست اور عزم و ہمت کی بدولت نوزائیدہ خلافت اسلامیہ کو اتنی مستحکم بنیادوں پر قائم کردیا جس پر آپ کے اولوالعزم جانشین عمر فاروقؓ نے ایک شاندار عمارت تعمیر کردی۔

اسلام، ایمان اور احسان
حدیثِ جبرائیل کی روشنی میں

(ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

مرتب: آج جو حدیث ہمارے زیرِ مطالعہ ہے اور جس کا متن میں نے آپ کو پڑھ کر سنایا ہے اس کو ''حدیثِ جبرائیل'' کہا جاتا ہے اور اسے ''اُمّ السنۃ'' قرار دیا گیا ہے یعنی سنت کی جڑ اور بنیاد۔ جیسے سورۃ الفاتحہ کو ''اُمّ القرآن'' قرار دیا گیا ہے یعنی قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کی جڑ اور بنیاد۔ اس حدیث کی عظمت کو عہدِ حاضر میں دو اشخاص نے پورے طور پر پہچانا ہے۔ ان میں سے ایک مسیحی عالم امریکی William C Chittick اور دوسری ان کی جاپانی بیوی Sachiko Murata ہے۔ ان کے بارے میں ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے یا نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ ذہن اور قلب مسلمان ہیں اگرچہ انہوں نے اعلان نہ کیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہو کیونکہ ہماری معلومات کا ادراک اتنا وسیع نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ان دونوں نے انتہائی گہرے مطالعے کے بعد اس حدیث کی روشنی میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا عنوان ہے Vision of Islam یہ کتاب تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہمارے ہاں بھی یہ سہیل اکیڈمی لاہور نے شائع کی ہے جو بازار میں دستیاب ہے۔ جو لوگ علمی ذوق رکھتے ہیں وہ اسے حاصل کر کے پڑھیں۔

یہ حدیث احادیث کی پانچ کتابوں میں ہے اور پانچ صحابہؓ سے منقول ہے یعنی حضرات عمر بن خطاب، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر اور ابو عامر رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے چار طرق سے مروی ہے۔ ان میں سے جو متفق علیہ روایت ہے وہ
حضرت ابوہریرہؓ سے مروی روایت ہے، جبکہ جو مشہور ترین روایت ہے یہ حضرت عمرؓ سے
مروی ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان) میں ہے۔

مراتب میں تمام صحابہ کرامؓ برابر نہیں تھے۔ سب کے اپنے اپنے مراتب تھے۔ کچھ
صحابہ کو فقیہ صحابی کہا جاتا تھا اس لیے کہ وہ فہم دین میں دوسروں سے زیادہ مہارت رکھتے تھے۔
ان میں حضرت عمرؓ چوٹی کے مقام پر ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی چوٹی کے
فقہاء صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان صحابہؓ سے مروی احادیث کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ جو اس حدیث مبارک میں بیان ہو رہا ہے، یہ رسول اللہؐ
کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا ہے۔ فتح الباری اور عمدۃ القاری دونوں میں ہے کہ یہ
آپؐ کی زندگی کے آخری دنوں کا واقعہ ہے۔ مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نے، جن کا
انتقال مدینہ منورہ میں ہوا، اس حدیث کے تمام طرق اپنی کتاب "ترجمان السنہ" میں
تفصیلاً بیان کیے ہیں۔ اس حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ اصل میں تو حضرت عمرؓ کی
روایت میں ہے، لیکن واقعہ کی تفصیلات کے ضمن میں کچھ مزید پہلو دوسری روایات میں آئے
ہیں اور وہ بھی یہاں بیان کیے جائیں گے۔ ان میں یقیناً متن کے الفاظ میں بھی کچھ فرق ہے،
لیکن واقعاتی تفصیل میں کچھ زیادہ فرق ہے۔ قرآن اور حدیث میں بنیادی فرق میں پہلے
بیان کر چکا ہوں کہ قرآن وحی جلی پر مشتمل ہے اور وحی بالفاظ ہے، یعنی الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہیں،
جبکہ حدیث نبوی بھی اگرچہ وحی پر ہی مبنی ہے لیکن وحی خفی ہے۔ اس کے الفاظ متفق علیہ محفوظ
نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ راویوں کے بیان میں لفظی طور پر فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اس کی سادہ
سی مثال ہے کہ آپ کسی محفل میں چند جملے بولتے ہیں اور پھر تھوڑی دیر بعد حاضرین محفل سے

پوچھے۔ میں نے کہا تھا تو ہم ایک کے بیان میں کچھ نہ کچھ فرق واقع ہو جائے گا۔ اسنادِ حدیث اپنی روح کے اعتبار سے اور مضمون کے اعتبار سے متفق علیہ ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اب ہم حضرت عمرؓ سے مروی اس روایت کا حصہ وار مطالعہ کرتے ہیں۔ اسے پڑھتے ہوئے اگر ہم اپنے آپ کو اس ماحول کا حصہ سمجھیں تو اس واقعے کو چشمِ تصور سے دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "اس اثنا میں کہ ایک دن ہم رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے تھے، کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کے کپڑے انتہائی سفید اور اس کے بال انتہائی سیاہ تھے (کہیں اور گرد و غبار کے کوئی آثار نہیں تھے)"۔ ایک روایت میں "نہایت خوبصورت انسان" کے الفاظ بھی ہیں۔ لوگوں نے اس وقت سوچا ہوگا کہ یہ کون ہیں؟ "اس شخص پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے" (وہ باہر سے آیا ہوتا تو اس کے کپڑے گرد آلود ہوتے اور بالوں میں کچھ غبار ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ باہر سے نہیں آیا ہے۔) "اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا"۔ ایک روایت میں اضافہ ہے: "تو لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے"۔ گویا اشاروں سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کون ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ پوری مجلس میں ان کا کوئی شناسا نہیں۔ اگر وہ شخص کسی کے ہاں مہمان آیا ہوتا تو وہ میزبان شناسا ہوتا اور کہہ دیتے کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ اگر یہ باہر سے آئے ہوتے تو ان کے بالوں اور کپڑوں پر سفر کے کچھ آثار ہوتے۔ ایک روایت میں ہے کہ "ان کی داڑھی کے بال نہایت سیاہ تھے"۔ عام بالوں کی بجائے داڑھی کے بالوں کے تذکرے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عام طور پر عرب اپنے سر کو ڈھانپے ہوئے رکھتے تھے۔ اس لیے اس شخصیت کے داڑھی کے بالوں کا تذکرہ ہے کہ وہ انتہائی سیاہ تھے۔

صحابہ کرامؓ خاموش رہے اور سمجھ گئے کہ اس معاملے میں آپؐ کی اجازت شامل ہے۔

"پھر اس نے کہا کہ اب مجھے بتایئے کہ ایمان کیا ہے؟" رسول اللہؐ نے فرمایا
ایمان یہ ہے کہ تو یقین رکھے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر
قیامت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر (کہ جو خیر یا شر کسی پر وارد ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف
سے ہے)"۔ اس شخص نے آپؐ کی تصدیق فرمائی۔

"پھر اس نے کہا کہ مجھے احسان کے بارے میں بتایئے۔" آپؐ نے فرمایا
(احسان یہ ہے) کہ تم اس کیفیت میں اللہ کی بندگی کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم
اسے نہیں دیکھ رہے (یہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی) تو (یہ کیفیت تو پیدا ہو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا
ہے۔ ایک روایت میں "کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرے" اور ایک روایت میں "کہ تو عمل کرے
اللہ کے لیے (یا محنت کرے اللہ کے لیے) گویا کہ اس کو تو دیکھ رہا ہے"

"(پھر) اس نے کہا مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے۔" رسول اللہؐ نے فرمایا
جس سے (قیامت کے بارے میں) پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا
"۔ ایک روایت میں "بتائیے کہ" آپؐ نے فرمایا "یہ غیب کی ان پانچ چیزوں میں سے ہے
جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں" اور پھر رسول اللہؐ نے سورۂ لقمان کی آیت تلاوت کی۔

"بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے پاس قیامت کا علم ہے (کہ وہ کب
آئے گی)۔ وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے
اور کسی انسان کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا اور (اسی طرح) کسی کو یہ معلوم
نہیں ہے کہ اس کی موت کس جگہ واقع ہو گی۔ بے شک اللہ ہی ہر چیز کا علم رکھنے والا
(اور) ہر شے سے باخبر ہے۔"

"اس شخص سے پوچھو تو مجھے اس کی نشانیاں بتا دیجیے"۔ آپؐ نے فرمایا
(جب تم دیکھو) "کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنے"۔ شارحین کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ اولاد
نافرمان ہو جائے گی۔ بیٹیاں جو عام طور پر اپنے والدین کا زیادہ ادب کرنے والی ہوتی ہیں،
والدین کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتی ہیں، ان کا حال یہ ہو جائے گا گویا وہ اپنی ماؤں کی
مالکہ ہیں، مائیں ان سے ڈرتی رہیں گی کہ ان کی کسی غلط بات پر انھیں ٹوک دیا تو معلوم نہیں وہ کیا
ردعمل ظاہر کریں گی۔ "اور یہ کہ تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن محتاج، بکریاں چرانے
والے اونچی اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے"۔ یہ صورت حال آج
عالم عرب میں مشاہدہ ہو رہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں حضرت جبرئیل
کے پوچھے سوال کا بھی ذکر ہے "یا رسول اللہ! بکریاں چرانے والے ننگے بدن، بھوکے
تنگدست کون لوگ ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "عرب ہوں گے"۔ یہ صورت حال آج
ہمارے سامنے ہے۔ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں، سو سال پہلے یہاں کہا جاتا ہے کہ یہ
کچھ نہیں تھا، پہننے کے لیے کپڑے نہیں تھے، پاؤں میں جوتے نہیں ہوتے تھے۔ پورے عرب کا
یہی معاملہ تھا۔ تقریباً آخری برس سے یہ صورت حال مکمل طور پر تبدیل ہو گئی ہے، جب سے
تیل دریافت ہوا ہے، اب یہ خوشحالی کس حد تک پہنچ گئی ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیجیے،
عرب کے صحرا اب گلزار کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ آپ اگر ابوظہبی کے ایئرپورٹ سے ابوظہبی
شہر جائیں تو درمیان میں آپ کو ایسا نقشہ نظر آئے گا گویا یہ چمن زار ہے۔ سڑک کے دونوں
طرف ہری بھری گھاس اور پودے ہیں اور سڑک کے دونوں طرف اونچے اونچے پیڑ بنا دیے
گئے ہیں تاکہ اس سے آگے صحرا کی طرف نگاہ نہ جائے۔ اس طرح بہت خوبصورت منظر دکھائی
دیتا ہے۔ پھر یہ کہ دبئی میں سیون اسٹار ہوٹل ہے۔ اسی طرح جدہ، ریاض، قطر وغیرہ میں عالیشان سڑکیں، ت

عالی شان، آراستہ و پیراستہ اور خوبصورت ہیں کہ اس قدر حسین مناظر میں نے امریکہ میں بھی نہیں دیکھے۔ میرے خیال میں دبئی، فتح عرب کے بعد ابھرنا شروع ہوا، اب سب سے آگے ہے۔

متحدہ عرب امارات (UAE) میں مجھے گئے ہوئے اب تو ایک طویل عرصہ ہو گیا ہے کیونکہ تیرہ چودہ سال سے میرے وہاں جانے پر پابندی ہے۔ اس پابندی سے پہلے ایک مرتبہ میں وہاں گیا ہوا تھا اور ایک بلڈنگ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بلند و بالا عالی شان بلڈنگ تھی جسے گرایا جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا قصہ ہے، کیوں اسے گرا رہے ہیں؟ "ابھی تو یہ تیار ہوا ہے، کوئی پرانی عمارت تو ہے نہیں!" کہنے لگے کہ اس کے قریب ایک اس سے اونچی عمارت بن گئی ہے لہٰذا اب اس عمارت کو گرا کر مزید اونچی عمارت بنائی ہے۔ گویا عمارتوں کو اونچا کرنے میں وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہیں

حضرت عمرؓ آگے فرماتے ہیں: "پھر وہ شخص چلا گیا"۔ تو میں کچھ دیر ٹھہرا رہا "میرے دل میں یہ الجھن رہی کہ یہ سائل کون تھا۔" پھر رسول اللہؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا: "اے عمرؓ! تمہیں معلوم ہوا یہ سائل کون تھا؟" "میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔" صحابہ کرامؓ کا معمول یہی تھا کہ آپؐ کے سوال دریافت فرمانے پر وہ کہتے تھے: "اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں"۔ "یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے"۔

یہ اختتامی حصہ حضرت عمرؓ کی روایت میں جس طرح مختصر وارد ہوا ہے اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہی وہ شخص واپس گیا حضرت عمرؓ بھی وہاں سے کسی ضرورت کے تحت روانہ ہو گئے۔ چنانچہ بعد میں جو واقعہ پیش آیا وہ انہیں معلوم نہیں تھا۔ دوسری روایت کے مطابق

ذرا سا توقف کے بعد وہ شخص چلا گیا تو آنحضرت ؐ نے فرمایا ''اسے واپس میرے پاس لاؤ''۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا ''اسے تلاش کرو'' تو انہیں کوئی شخص نہیں ملا ''اس آدمی کا کہیں سراغ نہ ملا۔ کسی کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ملیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے''۔ اس کے علاوہ ایک روایت بھی ہے جو مسند احمد میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا ''اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب کبھی بھی جبرائیل میرے پاس آئے میں ان کو پہچان جاتا تھا سوائے اس مرتبہ کے''۔ حضرت جبرائیل ایک تو فرشتے کی شکل میں تشریف لاتے اس وقت غیر مرئی ہوتے صرف آواز سنائی دیتی تھی۔ اس کی آواز بھی عام نہیں تھی بلکہ گھنٹیوں کی آواز کی طرح ہوتی تھی۔ (جیسے ہمارے گھر میں [illegible] ہوتا تھا) اسی سے پھر پیغام پہنچایا جاتا تھا۔ جبرائیل جو پیغام لے کر آتے تھے وہ الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ؐ کے قلب مبارک پر اتر جاتا تھا۔ لیکن متعدد مواقع پر حضرت جبرائیل آپ ؐ کے پاس اصلی شکل میں آتے تھے جس کا ایک واقعہ یہاں آپ کے سامنے آیا۔ حضرت جبرائیل عام طور پر ایک خوبصورت صحابی حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے لیکن رسول اللہ پہچان جاتے تھے کہ یہ دحیہ کلبی نہیں بلکہ دحیہ کی شکل میں حضرت جبرائیل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''حضرت جبرائیل جس شکل و صورت میں بھی میرے پاس تشریف لاتے تھے میں انہیں پہچان لیتا تھا سوائے اس مرتبہ کے۔''

یہ بھی جاننا چاہیے کہ آپ ؐ نے جو فرمایا کہ ''یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے'' تو اس ضمن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے متعلق ایک روایت میں یہ اضافی الفاظ بھی آئے ہیں۔ ''جبرائیل اس لیے آئے تھے کہ انہوں نے چاہا کہ تم [illegible] جب [illegible] کے بارے میں تم

سے سوال نہیں کیا۔ یعنی دین کی بعض حقیقتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں تمہیں سوال کرنا چاہیے تھا لیکن تم نے نہیں کیا، لہٰذا حضرت جبرئیلؑ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے آئے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ صحابہؓ نے کہا: ”ہم نے کسی انسان کو نہیں دیکھا کہ وہ اللہ کے رسولؐ کی اتنی عزت کرتا ہو جتنی کہ وہ شخص کر رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ رسول اللہؐ سے واقف ہے۔“ یعنی آپؐ کے مرتبے اور آپؐ کی نبوت و رسالت کو خوب پہچانتا ہے۔

آپ نے اس حدیث کی ابتدا بھی دیکھی اور بعد بھی۔ اس واقعہ میں حضرت عمرؓ کے جو الفاظ ہیں ”تو میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا“ اس بارے میں روایت میں آتا ہے کہ ہو سکتا ہے رسول اللہؐ کی جناب میں حضرت عمرؓ کی حاضری دو تین دن بعد ہوئی ہو، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ اور ایک انصاری صحابیؓ دونوں مشترکہ طور پر ایک دکان چلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا ان کے ساتھ ایک معاہدہ تھا کہ ایک دن دکان پر تم بیٹھو گے اور میں رسول اللہؐ کی صحبت میں رہوں گا اور اگلے دن میں دکان پر بیٹھوں گا اور تم رسول اللہؐ کی صحبت سے فیض حاصل کرو گے۔ تو شاید اگلے دن آپ اپنے اس معاہدے کی وجہ سے نہیں آئے اور دوسرے دن ہو سکتا ہے انہیں کوئی اور مصروفیت ہو۔ اب جب آئے تو رسول اللہؐ نے اُن کے چہرے سے پڑھ لیا کہ یہ متردد ہیں، کسی تشویش میں ہیں۔ تو رسول اللہؐ نے خود ہی پوچھا: ”اے عمر! تمہیں معلوم ہوا کہ یہ سائل کون تھا؟“ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔“ رسول اللہؐ نے فرمایا: ”یہ جبرائیلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔“

اس حدیث میں جو چار سوال آئے ہیں جن کے رسول اللہؐ نے جوابات دیے ہیں، ان میں اہم ترین پہلے دو سوال ہیں یعنی اسلام کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ روایت میں سوالات

کی ترتیب میں بھی فرق ہے۔ ابن عمرؓ کی روایت میں پہلا سوال ایمان کے بارے میں اور دوسرا سوال اسلام کے بارے میں ہے جبکہ اس روایت اور دوسری اکثر روایات میں پہلا سوال اسلام کے بارے میں ہے اور دوسرا سوال ایمان کے بارے میں۔ بہر حال اسلام اور ایمان کے بارے میں یہ سوالات بہت اہم ہیں جن کی وضاحت بعد میں ہوگی۔ تیسرا سوال جو "احسان" کے بارے میں ہوا وہ بھی بہت اہم ہے۔ یہ روحانیت کے بارے میں ہے اور ہمارے ہاں تصوف اس کا موضوع بن گیا ہے۔ اس بارے میں بھی آپؐ نے بیان فرما دیا ہے کہ دین میں روحانیت کے ضمن میں صحیح روش کیا ہونی چاہیے۔ اس لیے بعد میں دین میں جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں وہ تین جہتوں سے ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جو تبع تابعی تھے بہت نیک اور مجاہد انسان تھے ان کا ایک شعر ہے:

وهل افسد الدین الا الملوک

واحبار سوء و رهبانها

"دین میں فساد تین طرح سے آتا ہے (یا آیا ہے) ایک بادشاہوں اور سلاطین کے ذریعے سے دوسرے علماء سوء کے ذریعے سے اور تیسرے راہبوں کے ذریعے سے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی فساد آ چکا تھا۔ اور آج کے دور میں تو یہ فساد اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اور یہ سے الفاظ قرآنی "خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔" اس دور کے لوگوں نے محسوس کر لیا کہ اس وقت فساد کا ذریعہ تین گروہیں ہیں۔ ایک تو وہ بادشاہ اور سلاطین جو اپنے مفادات کے لیے دین میں تحریف کرتے ہیں دوسرے دین فروش اور فتویٰ فروش علماء جو اپنے دین اور اپنے علم کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں اور تیسرے پیر، جب رہبانیت جب آتی ہے تو دین کے اندر فتنہ اور فساد پھیلتی ہے۔

انہی تین گروہوں کے بارے میں علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری

اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری!

یعنی اے مسلمان! آج تیرا آئینہ قلب جو دھندلا گیا ہے تو اس کی وجہ وہ زخم ہیں جو تجھے تین اطراف سے لگے ہیں۔ یہ زخم لگانے والے تین قسم کے لوگ ہیں ایک پیشہ ور مذہبی ملا دوسرے بادشاہ تیسرے پیری مریدی کرنے والے۔ موجودہ حالات اس کی مکمل عکاسی کر رہے ہیں کما شاءاللہ۔

چوتھا سوال نبی اکرمؐ سے قیامت اور علامات قیامت کے بارے میں ہے۔ اس حدیث میں جو دو علامات قیامت بیان ہوئی ہیں وہ آج روز روشن کی طرح ہمارے سامنے آگئی ہیں یعنی اولاد کی سرکشی اور ننگے لوگوں کا خوشحال ہو کر عمارات کی بلندی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا:

"میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب ہے جتنا ان دو انگلیوں (شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی) کے مابین ہے۔"

یعنی میرے بعد اب کوئی نبی و رسول آئے گا اور نہ کوئی اُمت آئے گی بلکہ اب قیامت ہی آئے گی۔ گویا آپؐ کی بعثت ہی نشانِ علامات قیامت میں سے ہے۔ اس کے بعد پھر چھوٹی بڑی علامتیں ہیں۔ کتب احادیث میں علامات قیامت کی احادیث پر مشتمل پورے پورے باب باندھے گئے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

پانچواں سوال جبرائیلؑ نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ یہ "اصحاب الشاء الحفاة الجياع العالة" کون لوگ ہیں جن کی تعریف آپ نے اس طرح بیان کی کہ ننگ

بحث ہو رہی ہے کہ کیا عرب قیامت کے قریب اتنے خوشحال ہو جائیں گے کہ بڑی بڑی عمارات میں ایک دوسرے پر مسابقت کی کوشش کریں گے؟ اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ عرب ہوں گے۔ اب تو پوری دنیا نے عرب کا مشرقی ساحل اور مغربی ساحل جدید نقش و نگار کر رہے ہیں۔ البتہ جنوبی ساحل کے ساتھ صحرا ہے جہاں آبادی نہیں ہے جسے ”ربع الخالی“ کہتے ہیں۔ یہاں زندگی کا وجود نہیں ہے۔ یہاں کی ریت بھی ایسی ہے کہ اس پر کوئی شے ٹھہر ہی نہیں سکتی بلکہ نیچے دھنستی چلی جاتی ہے جیسے دلدل میں ہوتا ہے۔ آدمی کا پاؤں پڑ جائے تو پھر اس کا باہر نکلنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ یہ صحرا ان کو ”Quick Sands“ کہا جاتا ہے۔ یہ اصل میں قوم عاد کا مسکن تھا۔ قوم عاد دنیا کی زبردست تہذیب تھی۔ اسی قوم میں شداد تھا جس نے اپنی جنت بنائی تھی۔ اب شداد کا محل بھی دریافت ہو گیا ہے جو اس ریت کے اندر دبا ہوا ہے۔ اس میں بڑی مضبوط فصیل کے اوپر بہت مضبوط ستون کھڑے نظر آتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ”کیا تم نے اے پیغمبر! دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے بہت اونچے ستونوں والے عاد ارم کے ساتھ کیا کیا جس کے مانند کوئی قوم دنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی؟“ (فجر 6تا8)

اب آئیے اس طرف کہ زیر مطالعہ حدیث میں جو دو اہم سوال آئے ہیں ”اسلام“ اور ”ایمان“ کے بارے میں ان کی اہمیت کا کیا منظر ہے۔ اکثر اوقات قرآن مجید کے عام پڑھنے والوں کو ”اسلام“ اور ”ایمان“ کے بارے میں الجھن ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ ایمان اور اسلام کو مترادف الفاظ کے طور پر لیتے ہیں۔ مسلم کہیں یا مومن، مومن کو مسلم کہہ دیں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ گلاب کو کسی بھی نام سے پکاریں وہ خوشبو دے گا۔ چنانچہ جو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے اور اس کے دل میں ایمان و یقین بھی ہے تو آپ اسے مومن کہہ دیں

ہوں گے ایمان کے اور ہوں گے۔ یہی معاملہ ''نبی'' اور ''رسول'' کا ہے۔ جب ان کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہو رہا ہو گا تو وہاں پر نبی کو رسول اور رسول کو نبی کہہ دینے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ لیکن جہاں دونوں الفاظ ایک ہی جگہ پر آئیں تو وہاں نبی اور رسول کا فرق واضح ہو جائے گا۔ یہاں ایک تو یہاں ''اسلام'' اور ''ایمان'' کے ضمن میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی الجھن کا حل مطلوب ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض ایسی احادیث موجود ہیں جن میں انسان کے بعض اعمال پر اس کے ایمان کی نفی کر دی گئی ہے۔ جیسے رسول اللہؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

''کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا، کوئی چور حالتِ ایمان میں چوری نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی شرابی حالتِ ایمان میں شراب پیتا ہے۔''

جب کوئی شخص یہ کام کر رہا ہوتا ہے تو ایمان اس کے دل سے رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ ایمان بھی ہو اور یہ کام بھی ہو رہے ہوں۔ اس بات کی بعض احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ اس دوران ایمان اس کے دل سے نکل کر اس کے سر پر ایک پردے کی مانند چھتری تنا رہتا ہے۔ علماء کا اس پر تقریباً اتفاق ہے۔ وہ انسان جونہی اس عمل سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان دوبارہ اس کے دل میں آ جاتا ہے۔ حالانکہ منطقی طور پر یہ ہونا چاہیے کہ انسان توبہ کرے تب ہی اس کا ایمان واپس آئے۔ لیکن اس معاملے میں اللہ کی شانِ رحیمی و غفاری منطق پر سبقت لے جاتی ہے جیسا کہ ایک مقام پر بیان ہوا ہے۔ بہر حال اس سے ایک بات ثابت ہو جاتی ہے کہ گناہِ کبیرہ سے گویا ایمان کی نفی ہوتی ہے۔

یہ اشکال ہے جس کو صحیح طور پر نہ سمجھنے سے بہت بڑی گمراہی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اسلام میں سب سے پہلا گمراہ فرقہ ''خوارج'' اسی بنیاد پر گمراہی کا شکار ہوا۔ انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور جب کافر ہے تو گویا مرتد ہے لہٰذا اس کی جان اور مال مباح ہے، اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال لے لیا جائے تو باعثِ غنیمت ہوگا۔ اس کے نتیجے میں

رمضان المبارک کے فضائل و احکام

(حافظ محمد یٰسین)

رمضان کا روزہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے۔ روزے کو عربی میں صوم یا صیام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی چیز سے رک جانا اور اس کو ترک کر دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مراد ہے کہ آدمی صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہے۔ ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے اور حکم دیا گیا۔ "اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے"۔

روزہ فرض عین ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو کسی عذر شرعی کے بغیر چھوڑ دے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔ روزے کی اہمیت واضح فرماتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا

"جو شخص کسی عذر اور مرض کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تب بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی"۔

روزے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آدمی میں تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ دراصل اس "اخلاقی جوہر" کا نام ہے جو خدا کی محبت اور خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی ذات پر ایمان اور اس کی صفت رحمت، کرم اور فضل و احسان کے گہرے احساس سے جذبۂ محبت جنم لیتا ہے اور اس کی صفت قہر و غضب اور عذاب و عقاب کے شعور و تصور سے جذبۂ خوف ابھرتا ہے اور محبت و خوف کی اس قلبی کیفیت کا نام تقویٰ ہے جو تمام اعمال خیر کا اصل سرچشمہ اور تمام اعمال بد سے روکنے کا حقیقی ذریعہ ہے لیکن روزے کا یہ عظیم مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے جن

کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ دراصل وہی ہے جس میں آدمی قلب و روح اور اس کی ساری صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی ہر بری خواہش کو روند ڈالے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے سارے اعضاء جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روک رکھے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ رہا تو خدا کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں"۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا۔ "کتنے ہی روزے دار ایسے ہوتے ہیں جن کو روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔

روزے کے فرائض: روزے میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک تین باتوں سے رکا رہنا فرض ہے

1. صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ کھانا۔
2. صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ پینا۔
3. صبح صادق سے غروب آفتاب تک جنسی لذت کے حصول سے پرہیز کرنا۔

روزے کے سنن و مستحبات۔

1. سحری کا اہتمام کرنا سنت ہے چاہے دو چند کھجوریں یا چند گھونٹ پانی ہی ہو۔
2. سحری آخر وقت میں کھانا مستحب ہے جبکہ صبح صادق ہونے میں تھوڑی دیر باقی ہو۔
3. روزے کی نیت رات ہی سے کر لینا مستحب ہے۔
4. افطار جلد یعنی سورج ڈوب جانے کے بعد فوراً روزہ کھولنا مستحب ہے۔
5. چھوہارے، کھجور یا پانی سے افطار کرنا مستحب ہے۔

6 غیبت، چغلی، غلط بیانی، شور و ہنگامہ اور غصہ وغیرہ سے بچنے کا اہتمام مستحب ہے۔

وہ حالات جن میں روزہ توڑ دینا جائز ہے:

1 اچانک کوئی زبردست بیمار پڑ گیا۔ یا کوئی ایسی بیماری ہو گئی کہ جان پر بن آئی یا پھر حد سے زیادہ کوئی حادثہ ہوا وغیرہ وغیرہ سے زخمی ہو گیا یا کسی اونچے مقام سے گر پڑنے کی وجہ سے حالت غیر ہو گئی تو ان تمام صورتوں میں روزہ توڑ دینا جائز ہے۔

2 اگر کوئی اچانک بیمار پڑ گیا اور یہ اندیشہ ہو کہ جان جاتی رہے گی یا یہ اندیشہ ہے کہ اگر روزہ نہ توڑا تو بیماری بہت بڑھ جائے گی تو روزہ توڑ لینے کی اجازت ہے۔

3 اگر کسی کو ایسی شدت کی بھوک یا پیاس لگی کہ مرنے سے پہلے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے تب بھی روزہ توڑ دینا درست ہے۔

4 کسی حاملہ عورت کو کوئی ایسی حالت پیش آگئی کہ اپنی یا بچے کی جان کا خطرہ ہو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کا اختیار ہے۔

5 کسی کو سانپ وغیرہ نے کاٹ کھایا اور فوری دوا وغیرہ کا استعمال ضروری ہے تو روزہ توڑ دینا چاہیے۔

6 کمزوری تو تھی لیکن ہمت کر کے روزہ رکھ لیا بعد میں محسوس ہوا کہ اگر روزہ نہ توڑا تو جان پر بن آئے گی یا مرض کا شدید حملہ ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔

وہ معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

ایسی معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے صرف دس ہیں۔ ان میں کوئی معذوری بھی ہو تو روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے۔

1 سفر 2 بیماری 3 حمل 4 ارضاع یعنی بچے کو دودھ پلانا 5 جبر 6 بھوک پیاس کی

شدت 7 ضعف و بڑھاپا 8 خوف اور ہلاکت 9 بے ہوشی 10 بھوک۔

روزہ افطار کرانے کا اجروثواب: دوسرے لوگوں کو افطار کرانا بھی پسندیدہ عمل ہے۔ اور روزہ افطار کرانے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے چاہے وہ چند لقمے ہی حلال غذا یا ایک کھجور سے ہی افطار کرائے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے: "جس شخص نے کسی روزے دار کا افطار کرایا تو اس کو روزے دار کی طرح اجروثواب ملے گا"۔

بے سحری کا روزہ: شب میں سحری کھانے کیلئے اگر آنکھ نہ کھلے تب بھی روزہ رکھنا چاہئے۔ سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا بڑی کم ہمتی ہے۔ محض سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ چھوڑنا گناہ ہے۔ اگر کبھی آنکھ دیر سے کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے اور کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد کھایا پیا ہے تو اگرچہ اس صورت میں روزہ نہ ہوگا۔ لیکن پھر بھی روزہ داروں کی طرح رہے، کچھ کھانا پینا نہ چاہیے۔

اگر اتنی دیر سے آنکھ کھلی کہ صبح ہو جانے کا شبہ ہے تو ایسے وقت میں کھانا پینا مکروہ ہے اور اگر شبہ ہو جانے کے باوجود کھا پی لیا تو بہت برا کیا ایسے وقت میں کھانا گناہ ہے۔ پھر اگر بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو قضا واجب ہے اور اگر شبہ رہے تو قضا واجب نہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ روزہ رکھے۔

روزے کی شرائط: روزے کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔

1 شرائط وجوب 2 شرائط صحت

روزہ صحیح ہونے کیلئے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائط صحت کہتے ہیں اور روزہ واجب ہونے کیلئے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائط وجوب کہتے ہیں۔

روزے کیلئے شرائط وجوب: روزہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

1 اسلام، کافر پر روزہ واجب نہیں۔ 2- بلوغت، نابالغ بچے پر روزہ واجب نہیں۔

3 صوم رمضان کی فرضیت سے واقف ہونا۔

4 معذور نہ ہونا یعنی کوئی ایسا عذر نہ ہو جس میں شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے مثلاً بڑھاپا، مرض، حیض وغیرہ۔

روزے کی شرائط صحت: روزہ صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

1 اسلام، کافر کا روزہ نہیں 2 عورتوں کا حیض و نفاس سے پاک ہونا 3 نیت کرنا یعنی دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا، روزہ رکھنے کا ارادہ کیے بغیر اگر کوئی شخص دن بھر ان چیزوں سے رکا رہا جس سے روزے میں رکا جاتا ہے تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

روزے کی اقسام اور ان کا حکم: روزے کی چھ قسمیں ہیں۔ جن کی تفصیل اور احکام جاننا نہایت ضروری ہے۔

1 فرض۔ 2 واجب۔ 3 سنت۔ 4 نفل۔ 5 مکروہ۔ 6 حرام

فرض روزے: سال بھر میں صرف رمضان المبارک کے تیس روزے مسلمانوں پر فرض ہیں۔ رمضان کے روزوں کا فرض ہونا قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ جو شخص روزۂ رمضان کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر اور خارج از اسلام ہے۔

واجب روزے: واجب روزے منت کے روزے، کفارے کے روزے ہیں۔ اگر کسی متعین دن کے روزے کی نذر مانی ہے تو اس دن رکھنا ضروری ہے اور اگر دن متعین نہیں کیا ہے تو پھر جب چاہیں رکھ سکتے ہیں لیکن بلا وجہ تاخیر نہ کرنا چاہیے۔

مسنون روزے جو روزے خود نبی اکرم ﷺ نے رکھے یا جن کے رکھنے کی آپ ﷺ نے ترغیب دی ہے یہ روزے سنت ہیں اور ان کے رکھنے کا بڑا اجر وثواب ہے لیکن ان میں سے کوئی روزہ سنت مؤکدہ نہیں کہ جس کے نہ رکھنے سے آدمی گناہ گار ہو۔ مسنون روزے یہ ہیں۔ 1 عاشورے کے روزے 2 یوم عرفہ کا روزہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ 3 ایام بیض کے روزے یعنی ہر مہینے کی 13، 14، 15 تاریخ کے روزے۔

نفلی روزے نفلی روزے وہ روزے ہیں جو فرض، واجب اور مسنون روزوں کے علاوہ ہیں۔ البتہ بعض مستحب روزے ایسے بھی ہیں جن کے اہتمام کا بڑا ثواب ہے یہ روزے مثلاً 1 ماہ شوال کے چھ روزے، ان کو عرف عام میں شش عید کے روزے کہتے ہیں 2 پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ 3 ماہ شعبان کی پندرہویں کا روزہ 4 ذوالحجہ کے ابتدائی عشرے کے آٹھ روزے۔

مکروہ روزے 1 صرف جمعہ یا اتوار کے دن کا روزہ رکھنا۔

2 صرف یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا۔

3 کسی خاتون کا شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا۔

4 درمیان میں ناغہ کیے بغیر مسلسل روزے جس کو صوم وصال کہتے ہیں۔

حرام روزے سال بھر میں یہ روزے حرام ہیں۔

1 عید الفطر کے دن کا روزہ — 2 عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ

3 ایام تشریق — 4 11،12،13 ذوالحجہ کا روزہ

(ماخوذ از آسان فقہ)

ہستی نہ سمجھ بیٹھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات بھی بٹھا دینے میں کامیاب ہے کہ بحیثیت رسول ﷺ ان کا ہر قول و فعل واجب الاطاعت ہے۔ انسان کی گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس کا عجائب پرست اور اوہام پرست ذہن بشر کو رسول اور رسول کو بشر تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے۔ وہ کبھی بشر کو اللہ کی برابری کے درجے تک لے جاتا ہے اور کبھی اللہ کو بشر کے مقام تک لے آتا ہے لیکن یہ سیدھی سی حقیقت اسے نظر نہیں آتی کہ انسان کی رہنمائی کے لیے نمونہ ہدایت ایک ایسا انسان ہی ہو سکتا ہے جو وحی الٰہی کا تربیت یافتہ بھی ہو اور پیامبر بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت قرآن حکیم نے صراحت کے ساتھ یہ تاکید فرمائی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں خاتم المرسلین ہیں۔ ان کی رسالت ہمہ گیر و دائمی ہے۔ ان کی عزت افزائی نہیں اہانت سے ان کا حق خود ذات باری نے یعنی کہ وہ احکام الٰہی کے ترجمان و شارح ہیں۔

ارشاد باری ہے:

(درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انھیں میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(اے نبی ﷺ لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔" ان سے کہو کہ "اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔" پھر اگر

وہ تمھاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

قرآن حکیم میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے

(اور اب یہ قرآن ہم نے تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے

(درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول کی حیات مبارکہ ایک بہترین نمونہ تھا ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے باری تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے

(وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے بدی سے روکتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی

("جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔")

رسول اللہ کو مخاطب کر کے یہ بھی واضح کیا گیا

(اے نبی ﷺ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو")

(ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے

جائیں تا کہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔") اس کے ساتھ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ تنبیہہ کرائی گئی:

(اے نبی ﷺ! ان سے کہو" پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں"؟)

قرآن مجید کی ان تعلیمات پر اگر آپ صاف ذہن کے ساتھ غور فرمائیں تو اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ توحید الٰہی اور رسالت محمدی ﷺ میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دائرہ اسلام میں داخلے کی مسلمہ کلید کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ کتاب الٰہی میں جگہ جگہ اسی کی تائید وتشریح پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان، ان کے فہم وادراک اور ان کی تعمیل وتنفیذ کا کوئی تصور اس کے سوا ممکن ہی نہیں ہے کہ جو فرمان وحی کے مطابق صاحب وحی جن پر دین مکمل ہو چکا اور نبوت ورسالت ختم کردی گئی' کی طرف پورے خشوع وخضوع اور ادب واحترام کے ساتھ رجوع کیا جائے۔ یہ طریق کار اسی طرح لازمی اور ناگزیر ہے جس طرح ہدایت ربانی کا حصول انسان کے لیے لازمی ہے۔ اگر کوئی پاک نیت' صاف ذہن اور کھلے دل کے ساتھ اس ہدایت کی تلاش میں نکلے اور فراسکا کوئی حیلہ اس کی بصیرت پر تاریکی کا غلاف نہ چڑھا چکا ہو تو اسے اصل حقیقت کو پالینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوگی' لیکن اگر کج بینی' کج فہمی اور کج روی کو خود اپنے ہاتھوں سے مقدر ہی بنالیا جائے تو اندھی آنکھوں کو سورج کی روشنی نصف النہار پر بھی تاریک نظر آتی ہے۔

صدیوں پہلے خوارج نے اپنے مخصوص عقائد وعزائم کی تکمیل کی غرض سے حدیث وسنت سے انکار کیا تھا۔ اسی طرح دورِ جدید میں کچھ فکری شکست خوردہ لوگ اسلام کو اپنی پسند کا

اڈیشن پیش کرنے کے لیے حدیث کو مجموعی طور پر مشتبہ اور سنت کو متروک بنا کر دکھاتے ہیں۔
اس کام کو انجام دینے کے لیے انھوں نے قرآن مجید کی آیات کو جس طرح توڑ مروڑ کر
پیش کیا ہے اس پر انگریزی زبان کی وہ معروف کہاوت صادق آ جاتی ہے جس سے
ہر تعلیم یافتہ شخص واقف ہے۔ تاہم ان کی ساری ستم آرائیاں اس حقیقت کی پردہ پوشی نہیں کر
سکیں کہ اسلام کی اساس جس طرح اور جس قدر توحید باری پر ایمان اور عمل پر ہے ٹھیک اسی
قدر و راہی طرح سنت نبوی پر ایمان اور عمل پر بھی ہے۔ سنت رسول ﷺ سے محبت کا بھی
عنوان ہے جس کے بارے میں اقبال اپنے بے مثال پیرائے میں کہتا ہے:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

تمنا کی یہ تڑپ ہماری آرزوئے حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و شعور کی روشنی
اور علم و عمل کے ہر میدان میں سنت نبوی کی محبت سے سرشار فرمائے۔

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے خواجہ ولی محمد بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

(إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے انمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک و تصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال امت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

حقیقت وحدت الوجود

سلسلہ عالیہ توحیدیہ
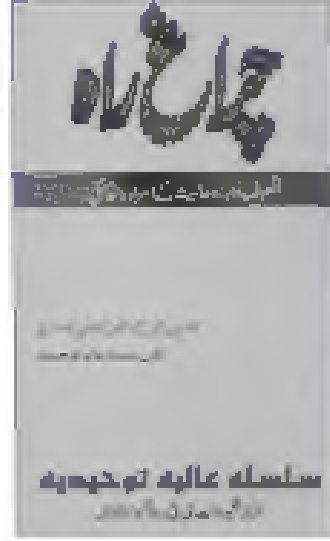
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصری کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال و انحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے، سلوک کے ذکر کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے اسباق، اخوان کا نظم کس طرح پیدا ہوتا ہے، الہام و وحی کی تشریح، جنت دوزخ کا اصل نظریہ، انسان کے باطنی حواس کی تعمیر، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے، موت کا راز، انسانی گناہوں اور نیکیوں کا اسرار، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے لائحہ عمل وغیرہ۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری نے تصوف کی تمام تعلیم کا مربوط تحریری اور مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں روحانی تعلیم، اوراد و وظائف اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں۔ جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، اطمینان اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com